تحریک جدید کے چھٹے سال کی مالی قُربانی کا اعلان

(فرمودہ ۲۴ ؍نومبر ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''گو آج میری طبیعت اچھی نہیں ہے لیکن چونکہ مَیں اس بات کا ارادہ کر چُکا تھا کہ تحریک جدید کے چھٹے سال کے متعلق اعلان کروں گا اس لئے باوجود طبیعت کی خرابی کے اور باوجود اس کے کہ شاید مَیں زیادہ کھڑا نہیں ہوسکوں گا اور بول نہیں سکوں گا مَیں نے یہی فیصلہ کیا کہ آج اس کا اعلان کر دوں۔

تحریک جدید پر پانچ سال کی مدت اب ختم ہو رہی ہے اور قریباً قریباً انہی ایّام میں مَیں نئے سال کی تحریک کا اعلان کیا کرتا ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تک تحریک جدید کی اہمیت اور ضرورت کو مَیں اس حد تک واضح کر چُکا ہوں کہ اب کسی لمبی تحریک کی ضرورت باقی نہیں اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خدا تعالیٰ نے دین کی محبت پیدا کی ہے اور جو اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں اور جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت کی تڑپ ہے انہیں اب کسی مزید تحریک کی ضرورت نہیں۔ ان پر یہ امر اچھی طرح کھل چُکا ہے کہ اس میں کیا فوائد مخفی ہیں اور اس کے ذریعہ کس طرح کوشش کی جارہی ہے کہ ایک ایسا مستقل فنڈ قائم کر دیا جائے جو ہماری تبلیغی ضرورتوں کو ہمیشہ کے لئے تو نہیں مگر موجودہ ضرورتوں کو ایک عرصہ تک پورا کرتا رہے۔ یہ فنڈ اتنا قلیل ہوگا کہ آئندہ کی ضرورتوں کے عُشرِ عشیر کے لئے بھی کافی نہیں ہوسکتا۔ عیسائیوں کو دیکھو وہ ایک

غلط عقیدہ کی اشاعت کے لئے کئی کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کر رہے ہیں لیکن اس تحریک کے ماتحت اگر کوئی فنڈ قائم بھی کیا جا سکے تو وہ اتنا محدود ہوگا کہ ہماری آئندہ کوششوں اور ضرورتوں پر حاوی نہیں ہوسکتا۔ آج ہماری جماعت چند لاکھ ہے اور اس کی کوششیں بھی چند لاکھ روپیہ تک محدود ہیں مگر جب اس کی تعداد کروڑوں کی ہوگی تو روپیہ بھی کروڑوں کی تعداد میں خرچ کرنا پڑے گا اور پھر جب یہ اربوں کی تعداد میں ہو جائے گی تو اسی نسبت سے ضروریات کے لئے روپیہ بھی اربوں خرچ ہوگا۔ ہماری جماعت کے قیام کی اصل غرض یہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کی تربیت کریں اور جو مسلمان نہیں کہلاتے ان میں اشاعتِ اسلام کریں اور اس کی راہ میں جو روکیں ہیں انہیں دُور کریں اور نئے سرے سے اسلام کی ترقی کے سامان کریں اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا ہے اپنی کوششوں کو اس حد تک اور اس وقت تک جاری رکھیں کہ دُنیا میں احمدیت ہی احمدیت نظر آئے اور باقی لوگ ادنیٰ اقوام کی طرح قلیل تعداد میں رہ جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا ہے کہ احمدیت بڑھتے بڑھتے تین سَو سال میں ایسے مقام پر پہنچ جائے گی کہ دُنیا میں اسے ہی غلبہ حاصل ہوگا اور جو لوگ اس سے باہر رہیں گے وہ ایسی ہی قلیل تعداد اور کمزور حالت میں رہ جائیں گے جس حالت میں کہ آج ہندوستان میں ادنیٰ کہلانے والی اقوام ہیں مگر یہ چیز ہمیں جادو سے حاصل نہیں ہو جائے گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُتر کر مداری کی طرح کوئی ڈنڈا ہلائیں گے اور دُنیا میں احمدیت کو غلبہ حاصل ہو جائے گا بلکہ یہ اسی طرح ہوگا جس طرح کہ ہمیشہ سے قاعدہ چلا آتا ہے۔ اس جماعت کو ترقی اسی طرح ہوگی جس طرح کہ الٰہی سلسلوں کو ہوتی ہے اور یہ ہماری جدوجہد اور قُربانیوں سے ہوگی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ چونکہ خدا تعالیٰ کی قضا و قدر ہے اس لئے ضرور ہو کر رہے گی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جماعت میں کمزوریاں ہیں اس کی رفتار ترقی بہت سُست ہے۔ یہ کس طرح ساری دُنیا میں پھیل سکے گی۔ یہ لوگ دُنیا میں اس قدر انقلاب کیسے پیدا کر سکتے ہیں مگر سوال یہ نہیں کہ ہماری حالت کیسی ہے اور طاقت کتنی ہے بلکہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا کرنے کا فیصلہ کر چُکا ہے اور اس لئے وہ خود ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو دُنیا کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیں گے۔ پس سوال ہماری موجودہ کوششوں کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ اس بیج کو

بڑھا کر خدا تعالیٰ نے ایسا باغ بنانے کا فیصلہ کر رکھا ہے جس کے سایہ میں ساری دُنیا آرام کرے گی۔ جب کوئی چیز ترقی کرنی شروع کرتی ہے تو ابتدا میں وہ تھوڑی ہی ہوتی ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ چاہے تو آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔ ہمارے مُلک میں پہلے لوکاٹ کا درخت نہیں ہوتا تھا۔ پہلے پہل کوئی یورپ، جاپان یا کسی اور مُلک سے اسے یہاں لایا اور آج سارے مُلک میں یہ پایا جاتا ہے۔ آج سے پچاس ساٹھ سال قبل مالٹا یہاں نہیں ہوتا تھا کوئی شخص باہر سے لایا اور آج سارے ہندوستان میں یہ پایا جاتا ہے اور اب تو زمیندار بھی جانتے ہیں کہ مالٹا کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مُلک میں کئی اجناس ایسی ہیں جو حال کی تیار کردہ ہیں۔ گیہوں کی ہی کئی قسمیں ہیں جنہیں آج سے چند سال پیشتر کوئی جانتا بھی نہ تھا لیکن آج سب زمیندار اُن کو جانتے ہیں تو جو چیز بھی بڑھتی اور ترقی کرتی ہے وہ ابتدا میں تھوڑی ہوتی ہے۔ ایک بیج بھی بڑھتے بڑھتے وسیع کھیت پیدا کر دیتا ہے اور پھر اس سے ملکوں کے ملکوں میں کاشت شروع ہو جاتی ہے۔

ایک قصّہ مشہور ہے جو معلوم نہیں سچا ہے یا جھوٹا۔ کہتے ہیں فرانس کا کوئی شخص استنبول میں شاہی باغات میں نوکر تھا ترکی میں پھول بہت اعلیٰ اور کثرت سے ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے باغ میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے پھولوں کا پودا تھا اس نے وہاں سے ایک بیج چُرایا اور فرانس میں لے گیا اور اسے کاشت کیا۔ جب پھول لگنے شروع ہوئے تو وہاں کے امراء نے کوشش کی کہ انہیں اس کے بیج مہیا ہو سکیں اور اُنہوں نے ایک ایک بیج کے لئے ایک ایک پونڈ کی پیشکش کی مگر وہ اس قیمت پر بھی دینے پر رضا مند نہ ہوا۔ آخر ایک کمیٹی بنائی گئی جو اس سے بیج لینے کی کوشش کرے۔ اس نے اسے بیس ہزار پاؤنڈ کی رقم دینے کی تجویز کی مگر وہ پھر بھی بیج دینے پر رضا مند نہ ہوا۔ آخر ایک دن ایک چالاک آدمی اسے ملنے گیا جس نے فرفل یعنی بُردار کوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ گیا اور اس پودے کے پاس کھڑا ہو کر اس سے سودے کی بات چیت کرنے لگا۔ بات کرتے ہوئے اس نے دو تین بار پہلو بدلے اور فرفل کو ایسے طور پر حرکت دی کہ وہ اس پودے پر لگتا رہا۔ واپس آکر اس نے اُسے جھاڑا تو دو تین بیج جو اس میں چمٹے ہوئے تھے گر پڑے جو اس نے بوئے اور ان سے پودے تیار ہو گئے اور اس طرح اس کا بیج عام ہو گیا۔

تو ایک بیج بھی سارے مُلک میں پھیل سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی کو بڑھانے لگتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ بیج کتنا تھوڑا اور چھوٹا ہے۔ آج ہماری جماعت بہت تھوڑی اور کمزور ہے۔ حتّٰی کہ جماعت کے بعض کمزور لوگ بھی حیران ہیں کہ یہ کس طرح ساری دُنیا کو فتح کرے گی مگر سوال یہ ہے کہ کونسی چیز ایسی ہے جو ابتدا میں بڑی کوشش سے شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے کیا سارے انسان ایک ہی دن میں پیدا کر دیئے تھے؟ نہیں بلکہ پہلے اس نے آدم کو پیدا کیا اس وقت جب خدا تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اگر کوئی اَور مخلوق ہوتی اور خدا تعالیٰ فرماتا کہ اس نے آدم کو اس لئے پیدا کیا کہ دُنیا کو انسانوں سے بھر دیا جائے تو وہ مخلوق ہنستی اور کہتی کہ یہ کیا پاگلانہ خیال ہے لیکن آج یہ حالت ہے کہ دُنیا میں آبادی اتنی بڑھ گئی ہے کہ ماہرین اقتصادیات اب اس امر پر بحثیں کرتے ہیں کہ لوگ کھائیں گے کہاں سے۔ آدم کی پیدائش کے وقت یہ خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ نسلِ انسانی اس قدر پھیل جائے گی مگر اب یہ حال ہے کہ ۲۰، ۲۵ سال کی بات ہے کہ ماہرینِ اقتصادیات کی طرف سے ایک شور بپا تھا کہ زمین بہت کم ہے اور کھانے والے زیادہ ہیں۔ اب کیا انتظام ہوگا؟ انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو بڑھانے کا انتظام کیا ہے اسی طرح وہ خوراک کو بڑھانے کا انتظام بھی کر دے گا اور ہر جاندار کا رزق اس کے ذمہ ہے۔ کوئی دابہ ایسا نہیں جس کا رزق خدا تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ اُنہوں نے روزی مہیا کرنے کا کام اپنا سمجھ لیا۔ گویا خدائی اب خدا تعالیٰ نے ان کے سپرد کر دی ہے۔ آخر مُلک میں زراعت کی جدوجہد شروع ہوئی اور ۱۹۲۹ء میں اس قدر غلّہ دُنیا میں پیدا ہوا اور اس قدر ارزاں ہو گیا کہ پھر لوگ اس امر کو سوچنے لگے کہ زمیندار گزارہ کس طرح کریں گے؟

گزشتہ جنگ میں گندم کا نرخ آٹھ روپیہ من تک بڑھ گیا تھا مگر ۱۹۲۹ء میں چار اور دو من تک گر گیا اور کپاس کا نرخ جہاں ۲۷ روپے من تک تھا چار، پانچ روپیہ رہ گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا کر دیا اور ان کو بتا دیا کہ ہم غلّہ کو اتنا بڑھا سکتے ہیں کہ لوگ حیران رہ جائیں کہ اب اسے بیچیں گے کہاں؟ چنانچہ اس کے بعد کئی کمیٹیاں بیٹھیں کہ اس امر پر غور کریں کہ کاشت محدود کر دی جائے۔ چنانچہ ربڑ کی کاشت کے لئے مختلف ممالک نے رقبے معیّن کر دیئے اور فیصلہ کیا گیا کہ اس سے زیادہ کاشت نہ کی جائے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ ربڑ کی کاشت

جتنی زیادہ کی جائے بہتر ہے۔ اسی طرح کپاس کی کاشت کو محدود کرنے کا قانون پاس کیا گیا اور امریکہ نے اس کی کاشت ۷۵ فیصدی کر دی اور اسی طرح دوسرے ممالک نے بھی کمی کی۔ تو کسی چیز کو بڑھانا یا گھٹانا اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے اور اس کا قانون یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ترقی دینا چاہتا ہے تو اس کے بیج کو بڑھا دیتا ہے۔ جب وہ ایک بیج ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں اس سے سینکڑوں کیسے بنیں گے اور جب سینکڑوں ہو جائیں تو کہتے ہیں اس سے ہزاروں کیونکر ہوں گے۔ پھر ہزاروں سے لاکھوں، لاکھوں سے کروڑوں اور کروڑوں سے اربوں تک بڑھنے میں شک کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اِسی طرح بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعویٰ کیا تو دُنیا حیران تھی اور کہتی تھی کہ ایک سے دو کس طرح ہوں گے؟ کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہوگا جو ان عقائد کو مان جائے لیکن جب چند لوگ آپ کے ساتھ شامل ہو گئے تو دُنیا نے کہا کہ چالیس پچاس پاگل تو دُنیا میں ہو سکتے ہیں مگر یہ آخری حد ہے اس سے زیادہ نہیں بڑھ سکتے اور جب یہ تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی تو کہا جانے لگا کہ دُنیا میں پاگلوں کے علاوہ بعض احمق بھی ہوتے ہیں جو شریک ہو گئے ہیں مگر ساری دُنیا تو عقلمندی کو نہیں چھوڑ سکتی اب اُن کی تعداد نہیں بڑھ سکتی اور جب جماعت ہزاروں تک پہنچ گئی تو کہا گیا کہ بعض اچھے بھلے سمجھدار لوگ بھی دھوکا کھا سکتے ہیں مگر اب یہ لوگ لاکھوں تک نہیں پہنچ سکتے اور اب حیران ہیں کہ یہ کروڑوں کس طرح ہوں گے اور یہ نہیں سوچتے کہ جس طرح ایک سے دسیوں، دسیوں سے سینکڑوں، سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں ہوئے اسی طرح اب لاکھوں سے کروڑوں اور کروڑوں سے اربوں ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہو کر ان کو اسی طرح بڑھاتا جائے گا اور کون ہے جو خدا تعالیٰ کے فضل کو روک سکے۔

اسی طرح اس تحریک کی بنیاد بھی آج چند ہزار روپوں پر ہے جو چندہ آتا ہے اس میں سے اخراجات کو نکال کر جو روپیہ بچتا ہے موجودہ اندازہ کے مطابق اس سے اسی قدر مستقل فنڈ قائم کیا جا سکتا ہے کہ جس سے ساٹھ ستّر ہزار روپیہ سالانہ کی آمد ہو سکے اور یہ اس کے لئے کافی ہے کہ اس وقت جو مشن ہمارے مدّنظر ہیں یعنی جن کے لئے اس وقت مجاہدین ٹریننگ لے رہے ہیں انہیں قائم کیا جا سکے۔ یہ زیادہ سے زیادہ ۲۵، ۳۰ نئے مشن ہوں گے اور اگر دیکھا جائے تو یہ

کچھ بھی نہیں۔ اس جد و جہد کے مقابلہ میں جو اس وقت عیسائی کر رہے ہیں۔ اس وقت ۶۵ ہزار عیسائی مبلّغ دُنیا کے مختلف حصّوں میں کام کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے مقابلہ میں ہمارے ۲۵، ۳۰ مبلّغوں سے کیا بنے گا؟ مگر ہمیں امید ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں ضرور ترقی دے گا اور جس طرح خدا تعالیٰ نے اتنا مستقل فنڈ قائم کرنے کا سامان کر دیا ہے جبکہ پہلے ایک روپیہ بھی اس فنڈ میں نہ تھا تو اسے اس کو اَور بڑھانے سے کون روک سکتا ہے۔ وہ ضرور اُسے کسی وقت لاکھوں، کروڑوں بلکہ اربوں تک ترقی دے گا اور ایک وقت آئے گا کہ ہمارا تبلیغی فنڈ دُنیا کی بڑی بڑی حکومتوں کے خزانوں سے بھی زیادہ ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ احمدیت کو اتنی ترقی دے گا کہ ساری دُنیا کی اقوام مل کر بھی اس کے مقابلہ میں ادنیٰ اقوام کی حیثیت رکھیں گی۔ اسی طرح وہ اس کے فنڈوں کو دُنیا کی حکومتوں کے خزانوں سے زیادہ مضبوط بنا دے گا اور وہ اسے ضرور بڑھائے گا۔ مسیح محمدی کو مسیح ناصری سے ہر لحاظ سے بڑھ کر ہونا چاہئے۔ مسیح ناصری کی قوم نے اپنے انتہائی کمال کے وقت ۶۵ ہزار مبلّغ پیدا کئے ہیں مگر احمدیت انشاء اللہ تعالیٰ اپنی ترقی کے زمانہ میں ۶۵ لاکھ پیش کرے گی اور یہ ضروری بھی ہے کہ زیادہ سے زیادہ علماء ہوں کیونکہ علماء کا کام صرف غیروں میں تبلیغ نہیں ہوتا بلکہ ان کا کام تعلیم و تربیت بھی ہے اور حقیقی تعلیم و تربیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ چند سَو آدمیوں پر ایک عالم ضرور مقرر ہو۔ جب تک ہر ڈیڑھ دوسَو آدمیوں پر ایک نہ ہو صحیح تربیت نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی قوم بڑھتی ہے اور افراد کی تربیت کا انتظام نہیں ہوتا تو وہ گرنے لگتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں فلاں جماعت میں فلاں وقت اخلاص زیادہ تھا۔ اب ویسا نہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس وقت جماعت کم تھی یا کسی جگہ کوئی خاص آدمی تھا وہ چلا گیا تو ان کی تربیت کا ویسا انتظام نہ رہا۔ پہلے ایک مبلّغ ایک علاقہ میں جاتا تھا وہاں چند آدمی ہوتے اور وہ ان کی تربیت کے لئے زیادہ کوشش کر سکتا مگر اب ہر علاقہ میں جماعتیں بڑھ گئی ہیں اس لئے تربیت میں نقص رہ جاتے ہیں اور یوں بھی جس رنگ میں ہم نے مبلّغ پیدا کرنے کی اب تک کوشش کی ہے اس سے تربیت صحیح رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ صحیح رنگ وہی تھا جو اَب مَیں نے تحریک جدید میں اختیار کیا ہے یعنی ایسے مبلّغ ہوں جو بغیر روپے اور معاوضہ کے کام کریں اور سلسلہ پر بوجھ نہ ہوں۔ یہ کوشش خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہو رہی ہے۔ گو بوجہ اس کے

کہ یہ ابھی بیج کی حالت میں ہے اس کی اہمیت کا احساس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پہلے دن کا چاند ہے جو صرف تیز نظر والوں کو ہی نظر آ سکتا ہے اس وقت ہماری کوششیں بالکل معمولی ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں شاندار کامیابی ہو رہی ہے۔ دوستوں نے اخبار ''الفضل'' میں ایک مصری اخبار ''الفتح'' کے مضمون کا ترجمہ پڑھا ہو گا۔ یہ مصر کا شدید ترین مخالف اخبار ہے جو نہایت گندے الزامات ہم پر لگا تا رہتا تھا اور جو لوگ ان مضامین سے واقف ہیں وہ تعجب کرتے ہوں گے کہ اس نے یہ مضمون کس طرح لکھ دیا۔ اس نے لکھا ہے کہ سارے مسلمانوں کی مجموعی تعداد مل کر بھی اسلام کی خدمت کے لئے وہ قربانی نہیں کر رہی جو یہ مٹھی بھر جماعت کر رہی ہے۔ غور کرو یہ کتنا بڑا سرٹیفکیٹ ہے۔ ایک شدید ترین مخالف تسلیم کرتا ہے کہ یہ جماعت اسلام کی بے نظیر خدمت کر رہی ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ ایک احمدی سَو دوسرے مسلمانوں کے برابر ہے یا ہزار کے برابر ہے بلکہ کہتا ہے کہ ساری دُنیا کے مسلمان جن میں بادشاہ اور بڑے بڑے امراء بھی شامل ہیں مل کر بھی اسلام کے لئے وہ جدوجہد نہیں کر رہے جو یہ جماعت کر رہی ہے۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا رُعب قائم ہو رہا ہے۔ عربی میں ضرب المثل ہے اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ یعنی فضیلت وہی ہے جس کی دُشمن گواہی دے۔ مَیں جب شام میں گیا تو وہاں عبدالقادر المغربی جو بہت بڑے اور مشہور ادیب ہیں مجھ سے ملنے آئے۔ جس وقت وہ آئے ایک اور شخص مجھ سے بات چیت کر رہا تھا۔ وہ بیٹھے گفتگو سُنتے رہے اور پھر اسے کہنے لگے کہ ان سے بحث مت کرو۔ یہ ہمارے وطن میں آئے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ان کا اعزاز کریں۔ مذہبی باتیں ان سے نہیں کرنی چاہئیں اور پھر ان باتوں کا فائدہ بھی کیا ہے۔ یہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں جو جاہل مُلک ہے جہاں کے لوگ نہ قرآن کریم سے واقف ہیں اور نہ عربی سے، جو قرآن کریم کی زبان ہے اور ان کی باتوں کا ہم لوگوں پر اثر بھی کیا ہو سکتا ہے جن کی مادری زبان عربی ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ بحث کر کے خواہ مخواہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ آپ یاد رکھیں مَیں واپس جا کر یہاں اپنا مبلّغ بھیجوں گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ یہاں جماعت قائم نہ ہو اور آپ اسے دیکھ نہ لیں کہ اس مُلک کے رہنے والے بھی ہماری باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ مَیں نے وہاں مبلّغ بھیجا اور اللہ تعالیٰ کے

فضل سے ان کی زندگی میں ہی وہاں جماعتیں قائم ہوگئیں۔اب تو مجھے معلوم نہیں وہ زندہ ہیں یا مَر گئے لیکن جماعتیں وہاں ان کی زندگی میں ہی قائم ہوگئی تھیں اور اب شام، فلسطین، مصر وغیرہ ممالک میں ایسے ایسے مخلص احمدی موجود ہیں کہ ان پر رشک آتا ہے۔ان میں ایسے بھی ہیں جن کو احمدیت کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ایسے بھی ہیں جو زخمی کئے گئے، ایسے بھی ہیں جو مُلک بدر کئے گئے اور جن کی جائدادیں اور مال و اسباب لوٹ لئے گئے مگر وہ پھر بھی استقلال اور ہمت کے ساتھ تبلیغ میں مصروف ہیں اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کو ہر جگہ ترقی حاصل ہو رہی ہے۔پس ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بیج کو جو آج ہم بو رہے ہیں ضرور ترقی دے گا۔ ہمارا فرض صرف یہی ہے کہ بیج بونے کی پوری پوری کوشش کریں جیسا کہ میں بیان کر چُکا ہوں۔اب ہماری جدوجہد کا چھٹا سال شروع ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اب ہم چندے کے زمانہ کے لحاظ سے چوٹی پر پہنچ کر نیچے اُتر رہے ہوں گے۔اس سال مالی قُربانی کے زمانہ کا ماضی بڑھ جائے گا اور مستقبل گھٹ جائے گا۔اس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رؤیا کے مطابق جو بظاہر تو اسی پر چسپاں ہوتا ہے وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ ۵۵۰۰ احباب کے وعدے آئے ہیں جن میں ساڑھے چار ہزار ادا ابھی کر چکے ہیں باقی کر رہے ہیں اور ابھی ۳۰ رنومبر تک میعاد بھی باقی ہے۔بعض لوگ مزید مہلت لے لیتے ہیں اور بعض نے لے بھی لی ہے کہ ہم دسمبر یا جنوری یا فروری میں ادا کر دیں گے اور اس طرح ممکن ہے پانچ ہزار پورے ہو جائیں یا کچھ بڑھ جائیں لیکن اگر پانچوں سالوں کو دیکھا جائے تو یہ تعداد اڑھائی ہزار کے قریب رہ جاتی ہے کیونکہ بعض نے ایک سال کا ادا نہیں کیا، بعض نے دو سال کا اور بعض نے تین سال کا۔گو وہ ابھی وعدے کر رہے ہیں کہ ضرور ادا کر دیں گے لیکن اس جدوجہد میں شریک ہونے والوں کی جو فہرست تیار ہوگی اس میں وہی لوگ شامل ہوں گے جو دس سالہ میعاد کو پورا کریں گے۔بعض لوگوں نے بے شک معافی لے لی ہے اور ان پر وعدہ خلافی کا جُرم عائد نہیں ہوتا لیکن مَیں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ان میں سے بعض یہ شکایت کیوں کرتے ہیں کہ جب آپ نے ہمیں معاف کر دیا تو پھر اس فہرست میں ہمارا نام کیوں نہ آئے۔ یہ محض نفس کا دھوکا ہے۔ایک شخص وعدہ کرتا جائے اور معافی لیتا جائے تو کیا وہ ثواب کا مستحق ہو جائے گا؟ معافی کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ وہ گناہ

سے بچ جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ثواب کا بھی مستحق ہو جائے گا۔ثواب تو قُربانی کے نتیجہ میں ہی مل سکتا ہے۔ ہاں اگر واقعی کسی ایسے شخص کے دل میں قُربانی کا جذبہ ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ثواب کا مستحق ہوسکتا ہے لیکن ہماری فہرست میں وہ کسی طرح نہیں آ سکے گا۔تو یہ محض نفس کا دھوکا ہے کہ ہم وعدہ کر کے معافی لے لیں تو اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کا فضل ہم پر نازل ہو جائے گا۔ایسے ایک شخص کا خط پڑھکر مجھے تو حیرت ہوئی۔اس نے لکھا کہ گزشتہ سال میں نے تیس روپیہ کا وعدہ کیا تھا مگر وہ ادا نہیں کرسکا۔اس لئے وہ تو معاف کر دیں اور آئندہ سال کے لئے مَیں چونکہ جانتا نہیں کہ کس قدر ادا کرنے کے قابل ہوسکوں گا اور کب ادا کرسکوں۔اس لئے آئندہ سال کے لئے میرا وعدہ دس ہزار کا لکھ لیں۔ایسا شخص جو جانتا ہے کہ مَیں جو وعدہ کر رہا ہوں اسے پورا نہیں کرسکوں گا اسے وعدہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور پھر وہ قُربانی کرنے والے مجاہدین کی فہرست میں شامل کیونکر ہوسکتا ہے؟ معافی کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ ایسا شخص وعدہ خلافی کے گناہ سے بچ جائے۔یہ کیونکر ہوگیا کہ وہ ثواب کا مستحق بھی ہو جائے اور جو شخص معافی لیتا ہے وہ یہ کس طرح فرض کر لیتا ہے کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور پھر وہ مجاہدین کی فہرست میں کیونکر آ سکتا ہے؟ فہرست میں تو وہی شخص آئے گا جو دس سالہ میعاد کو پورا کرے گا اور انہی لوگوں کے ثواب کو لمبا کرنے کی ہم کوئی صورت کریں گے تو اس فہرست میں وہی شامل ہوں گے جو شرائط کے ماتحت اس تحریک میں حصّہ لیتے رہیں گے۔سوائے ان کے جو فوت ہو گئے اور جب تک زندہ رہے برابر شرائط کے ماتحت حصّہ لیتے رہے۔ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ[1] پس ایسا شخص جو زندگی میں برابر حصّہ لیتا رہا اور پھر فوت ہوگیا۔وہ آخر تک شامل سمجھا جائے گا۔قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دین کی خدمت کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں وہ زندہ ہی سمجھے جاتے ہیں[2] وہ ان کے برابر ثواب پاتے ہیں جو زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ، روزے رکھتے ، جہاد کرتے یا ثواب کے دوسرے کام کرتے ہیں جو نیک کام وہ دُنیا میں کرتے تھے اس کا ثواب ان کو برابر ملتا رہتا ہے۔ پس جو فوت ہو گئے ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں وہ دس سالہ میعاد میں شامل سمجھا جائے گا۔اس کی نیت کے مطابق اسے اجر ملے گا خواہ وہ ایک سال ہی دینے کے بعد فوت ہو گیا مگر چونکہ اس کی

نیت آخر تک شامل ہونے کی تھی اس لئے اسے نیت کا ثواب مل جائے گا۔ بشرطیکہ جب تک وہ زندہ رہا شریک رہا ہو۔ ہاں جس نے زندگی میں اپنی مرضی سے ناغہ کر دیا وہ اس میں شامل نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی نیت ہی اس میعاد کو پورا کرنے کی نہ تھی۔ ہاں وہ شخص جو جب تک زندہ رہا ادا کرتا رہا۔ اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے پورا کر دیا۔ یا جن کی آمدنیوں میں کمی ہوئی اور وہ چندہ میں شرائط کے مطابق کمی کرتے رہے۔ وہ بھی اس فہرست میں شمار ہوں گے۔ مثلاً وہ لوگ جو ملازمت سے پنشن پر آ گئے اور انہوں نے آمد میں کمی کے ساتھ شرائط کے ماتحت چندہ میں کمی کر دی ان کی کمی کمی نہیں سمجھی جائے گی یا وہ لوگ بھی جن کے متعلق کوئی ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ وہ بوجھ اُٹھانے کے قابل ہی نہ رہے۔ پہلے وہ چندے دیتے رہے مگر پھر ان کی مالی حالت ایسی خراب ہوگئی کہ وہ چندے دینے کے قابل نہ رہے۔ ان کے متعلق تحقیقات کر کے فیصلہ کرنا ہمارے اختیار میں ہوگا۔ جو لوگ ملازمت سے پنشن پر چلے گئے یا جن کی تجارت میں کمی واقع ہوگئی ان کی حالت تو ظاہر ہی ہے اور اگر وہ شرائط کے ماتحت چندے میں کمی کر دیں تو ان کی کمی کو کمی نہیں سمجھا جائے گا لیکن جو یہ کہیں کہ ان کی مالی حالت ایسی خراب ہوگئی کہ وہ حصّہ لینے کے قابل ہی نہیں رہے ان کے متعلق تحقیقات کر کے فیصلہ کرنا ہمارے اختیار میں ہوگا۔ اس کے علاوہ جو لوگ معافی لیتے ہیں وہ ادا کرنے والوں میں شامل نہیں سمجھے جا سکتے۔ وہ تو صرف گناہ سے بچ سکتے ہیں۔

جو لوگ قواعد کے مطابق چندہ دیتے ہیں ان کی بھی دو شقیں ہیں ایک تو وہ جو ہر سال بڑھاتے جاتے ہیں اور دوسرے وہ جنہوں نے چوتھے سال میں کمی کر دی مگر پھر اس میں برابر زیادتی کرتے جاتے ہیں۔ یعنی بعض تو وہ ہیں جنہوں نے چوتھے سال میں کمی نہیں کی۔ ان کا دوسرے سال کا چندہ پہلے سے بڑھ کر، تیسرے کا دوسرے سے بڑھ کر اور چوتھے کا تیسرے سے بڑھ کر تھا اور پھر پانچویں کا چوتھے سے بڑھ کر تھا۔ خود مَیں نے بھی چوتھے سال میں کمی نہیں کی مگر بعض وہ ہیں جنہوں نے چوتھے سال کمی کر دی کیونکہ مَیں نے اس کی اجازت دی تھی اور پھر پانچویں سال میں اس سے زیادہ چندہ دیا۔ کیونکہ اس وقت مَیں نے مکمل سکیم کا اعلان کر دیا تھا اُن کی کمی کو کمی نہیں سمجھا جائے گا۔ اگر چوتھے سال کے بعد پانچویں میں انہوں نے زیادتی کر دی ہو

اور پھر آئندہ ہر سال کچھ نہ کچھ زیادتی کرتے چلے جائیں یہ دونوں قسم کے لوگ سَابِقُوْن میں شمار ہوں گے۔

جنگ اور اس سے پیدا شُدہ حالات اور خطرات کو ممکن ہے بعض لوگ چندوں میں کمی کا موجب قرار دے لیں مگر میرے نزدیک یہ کمی کا موجب نہیں بلکہ قُربانی میں اضافہ کا موجب ہونے چاہئیں کیونکہ جنگ ہمیں اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ انسان کی زندگی اور اس کے آرام و آسائش کے سامان ناپائیدار ہیں۔ دیکھو کس طرح آج کئی ممالک میں انسانی زندگی اور آرام و آسائش ایک انسان کی وجہ سے خطرہ میں پڑی ہوئی ہے۔ انسانی زندگیوں کا اس طرح خاتمہ ہو رہا ہے جس طرح دانے بھُونے جاتے ہیں، سمندروں میں جہاز غرق ہو رہے ہیں اور ان میں انسانی جانیں بے دریغ ضائع ہو رہی ہیں۔ ابھی خشکی پر جنگ باقاعدہ شروع نہیں ہوئی۔ خشکی پر جنگ کے وقت ایسے عظیم الشان لشکروں میں بعض دفعہ پانچ پانچ اور دس دس ہزار انسان روزانہ مرتے ہیں اور یہ نہایت مہیب نظارہ ہے۔

بے شک بیماریوں میں بھی لوگ مَرتے ہیں مگر ان میں زیادہ تر لوگ وہ ہوتے ہیں جو ایسی حالت کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہینگ لگتے ہیں لیکن جنگ میں مُلک کے چیدہ نوجوان مارے جاتے ہیں اور ایسے جوان جن سے نسلیں چلتی ہیں گویا مُلک کے چمن کے چیدہ پھُول مسلے جاتے ہیں اور صرف پتّے اور ٹہنیاں لٹکتی ہوئی رہ جاتی ہیں۔ غرض بیماری اور جنگ کی موت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بیماری میں پچاس فیصدی ایسے انسان مَرتے ہیں جو اپنی عمر گزار چکے ہوتے ہیں۔ ۳۰، ۳۵ فیصدی عورتیں یا بچے ہوتے ہیں اور ۱۵، ۲۰ فیصدی نوجوان بھی ہوتے ہیں مگر جنگ میں مارے جانے والے سَو فیصدی جوان ہوتے ہیں اور ایسے جوان جن پر مُلک کو ناز ہوتا ہے اور جو مُلک اور قوم کی ترقی کا موجب ہونے والے ہوتے ہیں۔ گویا جنگ میں مُلک کی جان نکال کر اسے مسل دیا جاتا ہے اور یہ موت نہایت دردناک ہوتی ہے مگر پھر بھی دیکھو کس طرح لوگ اپنی جانیں جنگ میں قُربان کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ مائیں کس طرح اپنے بیٹوں کو نکال کر باہر پھینک دیتی ہیں اور پھر جب وہ مارے جاتے ہیں تو بسا اوقات ان کو رونے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ جرمنی میں اب یہ قانون بنا دیا گیا ہے

کہ کسی عزیز کی موت پر جو جنگ میں مارا جائے رونا، پیٹنا یا رنج کے آثار ظاہر کرنا جُرم ہے اور جو ایسا کرے اس پر مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ یہ کتنے دُکھ کی بات ہے کہ کسی کا جوان بیٹا مارا جائے اور اُسے چند منٹ غم کا اظہار کرنے کی بھی اجازت نہ ہو۔ بیشک بعض لوگ ایسے مواقع پر بہادری کا ثبوت بھی دیتے ہیں اور رنج وغم کے آثار ظاہر نہیں ہونے دیتے مگر ایسی مثالیں بہت شاذ ہوتی ہیں۔ گزشتہ جنگ کے واقعات میں سے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جرمنی کی ایک اسّی سالہ بوڑھی عورت کا صرف ایک ہی جوان بیٹا تھا اُس کے سوا اُس کا کوئی نہ تھا۔ وہ جنگ میں مارا گیا۔ وزیر جنگ نے اُسے یہ خبر سُنانے کے لئے بُلایا۔ جن لوگوں کو زیادہ صدمہ ہو ان کے ساتھ زیادہ ہمدردی کا اظہار اور عزت کرنے نیز تسلّی وتشفّی دینے کے لئے جرمنی نے یہ اصول مقرر کیا تھا کہ وزیر جنگ خود بُلا کر انہیں ان کے غم سے آگاہ کرتا تھا اور تسلی دیتا تھا۔ اس عورت کا بھی چونکہ یہی ایک لڑکا تھا اس لئے وزیر جنگ نے اسے بُلایا کہ یہ اندوہناک خبر سنائے۔ ایک امریکن اخباری نامہ نگار نے لکھا کہ اس بڑھیا کی کمر بڑھاپے کی وجہ سے کبڑی ہو رہی تھی مگر جب وہ یہ خبر سُن کر دفتر جنگ سے باہر نکلی تو اس نے اپنی کمر کو ہاتھ سے سیدھا کیا اور ایک مصنوعی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ کیا ہؤا میرا لڑکا مارا گیا وہ مُلک کی خاطر مارا گیا ہے۔ اُس وقت اظہارِ غم ممنوع نہ تھا۔ لوگ اس حالت پر رو رہے تھے مگر وہ ہنستی تھی۔

صحابۂ کرام میں اس بہادری کی مثالیں بہت کثرت سے ملتی ہیں۔ دُنیوی لوگوں میں تو کروڑوں لوگوں اور سینکڑوں ملکوں میں سے ایک آدھ ایسی مثال مل سکے گی مگر چند ہزار صحابہ میں سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی وہ مثال ہے جو ایک عورت سے تعلق رکھتی ہے اور جسے مَیں نے پہلے بھی بارہا سُنایا ہے اور جو اس قابل ہے کہ ہر مجلس میں سنائی جائے اور اس کی یاد کو تازہ رکھا جائے۔ بعض واقعات ایسے شاندار ہوتے ہیں کہ بار بار سُنائے جانے کے باوجود پُرانے نہیں ہوتے۔ ایسا ہی واقعہ اس عورت کا ہے جس نے جنگ اُحد کے موقع پر مدینہ میں یہ خبر سُنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور وہ مدینہ کی دوسری عورتوں کے ساتھ گھبرا کر باہر نکل آئی اور جب پہلا سوار اُحد سے واپس آتا ہؤا اُسے نظر آیا تو اُس نے اس سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اُس نے کہا تمہارا خاوند مارا گیا ہے۔

اُس نے کہا کہ مَیں نے تم سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا ہے اور تم میرے خاوند کی خبر سُنا رہے ہو۔ اُس نے پھر کہا کہ تمہارا باپ بھی مارا گیا ہے۔ مگر اُس عورت نے کہا کہ مَیں تمہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتی ہوں اور تم باپ کا حال بتا رہے ہو۔ اُس سوار نے کہا کہ تمہارے دونوں بھائی بھی مارے گئے مگر اُس عورت نے پھر یہی کہا کہ تم میرے سوال کا جواب جلد دو۔ مَیں رشتہ داروں کے متعلق نہیں پوچھتی۔ مَیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتی ہوں۔ اس صحابی کا دل چونکہ مطمئن تھا اور وہ جانتا تھا کہ آپ بخیریت ہیں اس لئے اس کے نزدیک اس عورت کے لئے سب سے اہم سوال یہی تھا کہ اس کے متعلقین کی موت سے اسے آگاہ کیا جائے مگر اس عورت کے نزدیک سب سے پیاری چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ اس لئے اس نے اسے جھڑک کر کہا کہ تم میرے سوال کا جواب دو اس پر اُس نے کہا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو خیریت سے ہیں۔ یہ سُن کر عورت نے کہا کہ جب آپ زندہ ہیں تو پھر مجھے کوئی غم نہیں خواہ کوئی مارا جائے[۳] اور ظاہر ہے کہ اس مثال کے سامنے اس بڑھیا کی مثال کی کوئی حقیقت نہیں جس کے متعلق خود نامہ نگار کو اعتراف ہے کہ اس کا دل غم کے بوجھ سے دباہوا معلوم ہوتا تھا۔ وہ دل میں رو رہی تھی مگر یہ صحابیہ تو دل میں بھی خوش تھی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زندہ ہیں۔ اس عورت کے دل پر تو صدمہ ضرور تھا گو وہ اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اس کے تو دل پر بھی کوئی صدمہ نہ تھا اور یہ ایسی شاندار مثال ہے کہ دُنیا کی تاریخ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کرسکتی اور بتاؤ اگر ایسے لوگوں کے متعلق یہ نہ فرمایا جاتا کہ مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ تو دُنیا میں اَور کونسی قوم تھی جس کے متعلق یہ الفاظ کہے جاتے۔ مَیں جب اس عورت کا واقعہ پڑھتا ہوں تو میرا دل اس کے متعلق ادب اور احترام سے بھر جاتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ مَیں اس مقدس عورت کے دامن کو چھوؤں اور پھر اپنے ہاتھ آنکھوں سے لگالوں کہ اس نے میرے محبوب کے لئے اپنی محبت کی ایک بے مثل یادگار چھوڑی ہے۔

پھر اسی اُحد کا ایک واقعہ ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو اُس وقت حضرت انسؓ بن نضر کھجوریں کھا رہے تھے انہیں اطمینان تھا کہ فتح ہوچکی ہے اس لئے میدان سے پرے چلے گئے تھے اور چونکہ بھوکے تھے کچھ کھجوریں جو اُن کے پاس تھیں ان کے

کھانے میں مشغول ہو گئے تھے۔ جب ٹہلتے ٹہلتے میدان جنگ کے قریب ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ ایک چٹان پر بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت انسؓ نے حیرت سے دریافت کیا کہ عمر! یہ رونے کا کونسا موقع ہے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی ہے اور تم رو رہے ہو؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تمہیں معلوم نہیں فتح کے بعد کیا ہؤا؟ دُشمن نے پھر پیچھے سے حملہ کر دیا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت انسؓ نے یہ بات سُنی تو اس وقت آخری کھجور ان کے ہاتھ میں تھی اُنہوں نے کہا کہ عمر! جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے ہیں تو ہم نے یہاں رہ کر کیا کرنا ہے؟ جہاں آپ گئے وہیں ہمیں پہنچنا چاہئے۔ خدا کی قسم! میرے اور جنت کے درمیان اس کھجور کے سوا اور کوئی چیز نہیں یہ کہتے ہوئے اُس کھجور کو پھینک دیا اور تلوار لے کر میدانِ جنگ میں جا گھسے۔ دایاں ہاتھ کاٹا گیا تو بائیں سے تلوار پکڑ کر لڑتے رہے۔ وہ بھی کٹ گیا تو مُنہ میں پکڑ لی اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور جنگ کے بعد جب دیکھا گیا تو جسم پر ستّر زخم تھے اور جسم کے کئی ٹکڑے کٹ کر الگ ہو گئے تھے۔[۴] مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ انہی کے متعلق تھی[۵] گو یہ درست نہیں بلکہ یقیناً یہ آیت اور بہت سے صحابہ کے متعلق بھی تھی۔ مگر اس میں کیا شُبہ ہے کہ یہ صحابی اس کے اولین مستحقین میں سے تھے۔

پھر اسی اُحد کا اسی قسم کا ایک اَور واقعہ ہے۔ لوگ جب مَرنے لگتے ہیں، جب اپنا آخری وقت دیکھتے ہیں تو اگر کوئی سامنے آئے تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے گھر والوں کو سلام کہنا، اس اس طرح ہمارے دُکھ اور غم کا ان سے اظہار کرنا لیکن جنگِ اُحد میں جب صحابہ کو دوبارہ فتح ہوئی تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ دیکھو کون کون شہید یا زخمی ہوئے ہیں۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ مَیں نے تلاش کرتے ہوئے مدینہ کے ایک انصاری کو دیکھا کہ بُری طرح زخمی ہے اور نزع کی حالت میں ہے۔ مَیں نے اسے سلام کہا اور پوچھا کہ کوئی پیغام چاہو تو دے دو۔ یہ سُن کر اُس کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور اُس نے کہا مَیں اِسی انتظار میں تھا کہ کوئی بھائی ادھر آ نکلے تو اُس کے ذریعہ پیغام بھجوا دوں۔ سو تم آ گئے ہو اب میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر وعدہ کرو کہ میرا یہ پیغام ضرور پہنچا دو گے اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ میرے رشتہ داروں

سے کہنا کہ جب تک ہم زندہ تھے خدا تعالیٰ کی امانت یعنی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو ہمارے سپرد تھی اُس کی اپنی جانوں سے حفاظت کرتے رہے۔ اب ہم دُنیا سے جاتے ہیں اور یہ امانت اب تمہارے سپرد ہے اور میری آخری وصیت تم کو یہ ہے کہ رسولِ کریم کے وجود کی قدر کرنا اور اپنی جانوں کو قُربان کر کے آپ کی حفاظت کرنا۔[6] دیکھو اس وقت اس صحابی کو یہ فکر نہیں ہوئی کہ میری اولاد اور رشتہ داروں کو روٹی دے کر زندہ کون رکھے گا بلکہ یہ فکر تھی کہ وہ اس موت سے نہ بھاگیں جو ہم نے قبول کی ہے۔ اب بتاؤ کونسا ایسا مُلک اور کونسی ایسی قوم ہے جو کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش کر سکے۔ یہ تین واقعات ہی ایسے ہیں کہ دُنیا کی تاریخ کے تمام صفحات بھی ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ حالانکہ دُنیا کی تاریخ ہزاروں سالوں، ہزاروں قوموں اور ہزاروں لڑائیوں اور کروڑوں فوجیوں پر پھیلی ہوئی ہے اور صحابہ کی چھوٹی سی جماعت میں ایسی ہزاروں مثالیں ہیں۔ دراصل ایسی قُربانیاں ہی ہیں جو قوموں کو بڑھاتی ہیں۔

غرض اس جنگ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ دُنیا فانی ہے۔ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی غیر فانی ہے اور اسی سے تعلق پیدا کرنا انسان کے لئے نفع مند ہو سکتا ہے باقی دنیوی جاہ وجلال اور جائداد و اموال کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیکھ لو یہودیوں کے پاس کتنی جائدادیں تھیں مگر ہٹلر نے حُکم دیا اور سب کی سب ضبط ہو گئیں۔ پس اس جنگ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اَور قُربانیاں کریں اگر دنیاوی امن کے لئے ایسی عظیم الشان قُربانیاں کی جاتی ہیں جیسا کہ ان جنگوں میں محبّانِ وطن کر رہے ہیں تو خدا تعالیٰ کی خاطر قُربانیوں کا معیار کس قدر بلند ہونا چاہیئے اور جو یہ قُربانیاں نہیں کرتے۔ وہ کس طرح دعویٰ کر سکتے ہیں کہ انہیں خدا تعالیٰ سے محبت ہے۔ پس یہ حالات قُربانی میں کمی کے بجائے اضافہ کا موجب ہونے چاہئیں۔

یاد رکھو کہ یہ تحریک خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لئے وہ اسے ضرور ترقی دے گا اور اس کی راہ میں جو روکیں ہوں گی ان کو بھی دُور کر دے گا اور اگر زمین سے اس کے سامان پیدا نہ ہوں گے تو آسمان سے خدا تعالیٰ اس کو برکت دے گا اور مبارک ہیں وہ جو بڑھ بڑھ کر اس تحریک میں حصّہ لیتے ہیں کیونکہ ان کا نام ادب اور احترام سے اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا اور خدا تعالیٰ کے دربار میں یہ لوگ خاص عزت کا مقام پائیں گے کیونکہ انہوں نے خود

تکلیف اُٹھا کر دین کی مضبوطی کے لئے کوشش کی اور ان کی اولادوں کا اللہ تعالیٰ خود متکفّل ہوگا اور آسمانی نور ان کے سینوں سے اُبل کر نکلتا رہے گا اور دُنیا کو روشن کرتا رہے گا۔ مَیں ان الفاظ کے ساتھ اس چھٹے سال کی تحریک کا اعلان کرتا ہوں اور اس کے لئے وعدہ کی آخری تاریخ ۳۱؍جنوری ۱۹۴۰ء مقرر کرتا ہوں اور جن لوگوں نے ابھی گزشتہ سال کا چندہ ادا نہیں کیا یا جن کے ذمہ بقائے ہیں ان کو توجہ دلاتا ہوں کہ ادائیگی کی طرف جلد متوجہ ہوں کیونکہ بوجھ جتنا زیادہ ہوتا جائے گا اُتنا ہی دل پر زنگ لگتا جائے گا اور ادائیگی میں اتنی ہی مشکل پیدا ہوتی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور تمہارے دلوں میں دین کی خدمت کے لئے خود الہام کرے اور اعلیٰ قُربانیوں کی توفیق دے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔ واٰخِرُ دَعْوٰنَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔"

(الفضل ۳۰؍نومبر ۱۹۳۹ء)

---

۱ الاحزاب: ۲۴

۲ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ: ۱۵۵)

۳ سیرۃ ابن ھشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ مطبع مصطفیٰ البالی مصر مطبوعہ ۱۹۳۶ء

۴ صحیح بخاری کتاب المغازی حالات غزوۃ اُحد و تفسیر طبری جلد ۲۱ صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ مطبوعہ ۱۹۶۸ء

۵ تفسیر طبری سورۃ الاحزاب زیرآیت فمنھم من قضی نحبہٗ جلد ۲۱ صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ مطبع مصطفیٰ البالی مصر الطبعۃ الثالثہ ۱۹۶۸ء

۶